

زبان کیا ہے؟

①

دنیا بھر میں ان گنت زبانیں بولی جاتی ہیں۔ بہتوں کا تو ہمیں علم ہی نہیں۔ نہ جانے کتنی زبانیں تعمرگم نامی میں کھوپکی ہیں۔ جب زبان اس کے مضمرات کے مسائل اور مباحث چھڑتے ہیں تو کوئی مخصوص زبان مراد نہیں لی جاتی، نہ ہی کسی مالی یا آفاقی زبان کا تصور اس میں ہوتا ہے۔ کسی آفاقی زبان کا وجود رہا بھی نہیں ہے۔ اس گویائی کا فکر عالمی حیثیت فروہ رکھتا ہے، اسے جیاتانی ورثہ کہیے یا وہی عطیہ۔ دنیا کی مختلف زبانوں کے طرح طرح کے روپ اس کے مظاہر ہیں۔ ان کی ملتی جلتی خصوصیات کی تعمیم کا اطلاق تمام زبانوں پر ہو سکتا ہے۔ "زبان" سے متعلق بات چیت کرتے ہوئے یہ تعمیم پیش نظر رہتی ہے۔

انسان نے اپنی طویل تاریخ میں جو کتابت کئے ہیں، ان میں انتہائی بیش بہا زبان ہے۔ انسان کا سب سے زیادہ قابل تعریف کا زائمانہ زبان ہی ہے۔ زبان زندگی کے لئے ناگزیر تو نہیں لیکن انسان سے اس کی وابستگی کچھ اتنی زیادہ ہو چکی ہے اور وہ انفرادی اور سماجی زندگی کی ایسی ضرورت بن چکی ہے کہ اس کے بغیر انسان کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا دوسری مخلوقات سے ممتاز کرنے کے لئے انسان کو حیوان نامق بھی کہا جاتا ہے۔ سماجی رشتے زبان کے ذریعے مضکم ہوتے ہیں۔ ذہنی و تہذیبی اور اخلاق و روحانی ورثے اسی کے مرہون منت ہیں۔ تمام علوم اسی کے ہمارے وجود میں آتے رہے ہیں۔ تعلیم و تربیت

کا ذریعہ بھی وہی بنتی ہے۔ فکری جولاں گاہوں کو اسی کی مدد سے طے کیا جاتا ہے۔ ہم لفظ زبان استعمال کرتے ہیں تو عموماً یہ سمجھتے ہیں کہ جس مفہوم میں اسے برت رہے ہیں، اس کا غیر مبہم اور واضح تصور اور زبان کی حقیقت اور ماہیت ہمارے ذہن میں ہے لیکن جب ہم سے یہ کہا جائے کہ زبان کی جامع و مانع تعریف کیجیے تو محسوس ہوگا کہ دوسرے علوم کے بنیادی تصورات کی طرح زبان، کلمہ وغیرہ جیسی اصطلاحوں کی جامع و مانع تعریف کتنی مشکل ہے۔ یہ احساس بھی ہوتا ہے کہ ان اصطلاحوں کے مفہوم کو کسی قدر محدود کرنا اور یہ فرض کر لینا بھی ضروری ہے کہ جن معانی و مطالب کے لئے یہ اصطلاحیں وضع کی گئی ہیں۔ ان کا وجود ہے اور لوگ یہ جانتے ہیں کہ وہ کیا ہیں۔

اردو میں زبان کے سائنسی مطالعہ کا رجحان ذرا کم ہی رہا ہے۔ اس لئے اس کی تعریف کی طرف خاطر خواہ توجہ نہیں دی گئی۔ مولانا محمد حسین آزاد نے زبان کی یہ تعریف کی ہے۔

”وہ اظہار کا وسیلہ ہے کہ متواتر آوازوں کے سلسلے میں ظاہر ہوتا ہے۔ جنہیں

تقریر یا سلسلہ الفاظ یا بیان یا عبارت کہتے ہیں۔ اسی مضمون کو ایک شاعرانہ

لیطف میں ادا کرتا ہوں کہ زبان (خواہ بیان) ہوائی سواریاں ہیں جن میں ہمارے

خیالات سوار ہو کر دل سے نکلتے ہیں اور کانوں کے رستے اور دل کے دماغوں

میں پہنچتے ہیں۔ اس سے رنگین تر مضمون یہ ہے کہ جس طرح تصویر اور تحریر

قلم کی دستکاری ہے جو آنکھوں سے نظر آتی ہے، اسی طرح تقریر ہمارے

خیالات کی زبانی تصویر ہے جو آواز کے قلم نے ہوا پر کھینچی ہے۔ وہ صورت

ماہر، کام، مقام اور ساری حالت کانوں سے دکھائی دیتی ہے۔“ (سخن زبان پارس ص ۱۵)

آزاد نے زبان کی ”آلاتی“ اور صوتی و لفظی حیثیتوں ہی کو درخور اعتنا سمجھا۔ سید احمد دہلوی

مولف ”فرہنگ آصفیہ“ نے فلسفہ زبان سے متعلق ایک کتابچہ موسوم ”بہ زبان“ لکھا اور

اسے اپنی فرہنگ کے دیباچے میں بھی شامل کیا لیکن اس میں زبان کی تعریف بیان کرنے

کچھ چنناں ضرورت محسوس نہ کی۔ لہذا المحسن نیز کا کو مدعی موافق نور اللغات "زبان کو ایسی لہجہ قرار دینے پر اکتفا کرتے ہیں جس کے ذریعے انسان دل کی بات کر سکے۔ گویا وہ بھی زبان کو محض لفظی وسیلہ اظہار و ابلاغ سمجھتے ہیں۔ پندت برجموہن ذاتا تریہ کیفی رقم طراز ہیں کہ زبان تخیل اور خیال کے ظاہر کرنے یا مطلب ادا کرنے کا ذریعہ ہے۔ ہمارا مقصد مطلقہ کے ذریعہ اظہار خیال سے ہے۔ جس کا تعلق آواز سے ہے، "کیفیتہ فضا" (مرزا سلطان احمد کہتے ہیں۔

"زبان چند ایسے مفردات اور مرکبات کا مجموعہ ہے جو مختلف انسانی جماعتوں میں بطور مقررہ اشارات کے کام دیتے ہوں یا ایسے متلفظ اشارات جو انسان کے منہ اور زبان سے مختلف رنگوں میں خارج ہوتے اور نکلتے ہوں اور جن کے کچھ نہ کچھ معنی اور تعبیرات ہوں۔" (زبان "صد)

یہ تعریف عامی گنگلک ہے۔ اور اس سے زبان کی حقیقت و ماہیت پر کوئی خاص روشنی نہیں پڑتی۔ ڈاکٹر محی الدین قادری زور اردو کے پہلے دانشور ہیں جنہوں نے شکر سے سلمہ مسک پیرس اور لندن کے اس دور کے مشہور ماہرین لسانیات سے براہ راست استفادہ کیا تھا۔ زبان کی ماہیت سے متعلق لکھتے ہیں۔

"زبان خیالات کا ذریعہ ہے۔ اس کا کام یہ ہے کہ لفظوں اور فقروں کے توسط سے انسانوں کے ذہنی مفہوم و دلائل اور ان کے عام خیالات کے ترجمانی کرے۔ اس ترجمانی میں وہ حرکات جسمانی بھی شامل ہیں جو کسی مفہوم کے سمجھانے کے لئے خاص خاص زبان بولنے والوں کے درمیان مشترک ہوتی ہیں۔ خیالات کی ترجمانی کے لئے نطق یا قوت گویائی ہی ایک مکمل ترین اور سب سے زیادہ واضح ذریعہ سمجھی جاتی ہے۔ پس زبان کی واضح تعریف ابن الفاظ میں کی جاسکتی ہے کہ زبان انسانی خیالات

اور احساسات کی پیدا کی ہوئی ان تمام عضوی اور جسمانی حرکتوں اور اشاروں کا نام ہے جن میں زیادہ تر قوت گویائی شامل ہے اور جن کو ایک دوسرا انسان سمجھ سکتا ہے اور جس وقت چاہے اپنے ارادے سے دہرا سکتا ہے۔

(ہندوستانی لسانیات ص ۳۱-۳۲-۳۳)

یہ تعریف واضح اور جامع نہیں، زبان کی آلاتی، لفظی اور اختیاری حیثیتوں کی طرف اشارے تو لگتے ہیں لیکن علامتی حیثیت پر روشنی نہیں پڑتی۔ عضوی اور جسمانی حرکتوں اور اشاروں میں قوت گویائی کی شمولیت سے صوتی علامت، یا لفظی علامت کا مفہوم کھینچ کر ہی نکالا جاسکتا ہے۔

ہادی حسین نے زبان کی جو تعریف کی ہے وہ نسبتاً واضح ہے۔

”زبان علامتوں کا ایک نظام ہے جو انسانوں کے درمیان ابلاغ کا ذریعہ ہوتا

ہے یا بن سکتا ہے۔“ (زبان اور شاعری ص ۷۷)